# اُردو افسانے میں گھریلو ملازمہ کا کردار: سماجی مطالعہ

حمیرا اختر

**Abstract:**

Domestic employee (maid) is a tragedy of the crushed, lower and trapped class, which is suffering from deprivation and disgusts who don't know the pleasures and blessings of life, who is suffering from the confusion and sarcasm of the society and is profligate by it. This article highlights various aspects of domestic employee's lives, hatred aggressive behaviour and sexual exploitation of society.

برصغیر میں امراء روساء، نوابین کے ہاں گھریلو ملازمین کی سماجی تاریخ موجود ہے۔ بادشاہت کی سماجیات نے طبقہ امراء کے ہاں گھریلو ملازمین بالخصوص خواتین کرداروں کی بے بسی، لاچاری اور استحصال کو جنم دیا۔ اُردو افسانے میں اس سماجی حیثیت کو اپنی روایت میں جگہ دی۔ اس موضوع پر عصمت چغتائی، احمد ندیم قاسمی، ہاجرہ مسرور، غلام عباس افسانہ نگاروں کے ہاں "گیندا"، "بڑے شرم کی بات"، "بیرا"، "ننھی سی جان"، "ننھی کی نانی"، "باندی"، "لحاف"، "فیشن"، "کمینی"، "بھاگ بھری"، "سجدہ"، "شکر"، "کنیز"، "بردہ فروش" اور "سرخ گلاب" نمائندے افسانے کے طور پر سامنے آتے ہیں۔

عصمت چغتائی کا افسانہ "گیندا" سماج کے اس گھناؤنے پہلو کا احاطہ کرتا ہے جو ایک معصوم نوخیز کلی جنسی استحصال کی صورت میں وقت سے پہلے ہی پھول بنا دیتا ہے۔ سماج سے ملنے والی نفرت طعنوں کی شکل میں ابھر کر سامنے آتی ہے۔ ناجائز بچے کی ولادت غریب بچی کے لیے کلنک کا ٹیکہ ثابت ہوتی ہے جو تمام زندگی اس کے ماتھے پر آویزاں رہتا ہے۔

گیندا کا کردار فحاشی کی بجائے سماج میں موجود ناہمواریوں کی نہ صرف نشاندہی کرتا ہے۔ بلکہ معصوم کلیوں کا خاموشی سے کیا جانے والا جنسی استحصال کی سرزنش قرار دیتا ہے۔ شادی کے نام پر دیا جانے والا دھوکہ مجبور اور لاچار طبقے کی ایسی بے بسی ہے جس سے وہ دامن چھڑا نہیں سکتا۔ شہری رئیس زادے کی ہوس کھیل ہی کھیل میں کلی کو چٹخنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ خود سماج کی نظروں میں پاک صاف رہنے کا ڈھونگ رچاتا ہے۔

ایک طرف معصوم نازک کلی گیندا بہت سے دکھوں کو سہہ کر رئیس زادے کے جائز بچے کو جنم دیتی ہے۔ تو دوسری طرف اسے بے شمار پابندیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بچے کی پھوپھی کا چھپ کر ملنے آنا اور ماں کا ظالم باپ سے امید لگانا اُس کی معصوم خواہشات کا ترجمان ہے۔

> ”تم انھیں چٹھی لکھو گی۔۔۔۔ کیوں بی بی؟ اور یہ بھی لکھنا کہ اس کے اب کے لال بنیائن لائیں جیسی بسنتی کا چھورا پہنے ہے اور۔۔۔۔ یہ کہ۔۔۔۔ اس نے شوق بھری نظروں سے خلا میں دیکھتے ہوئے کہا، اب کے بار چھٹیوں میں دو چار دن کے لیے ضرور آنا۔ جیسے وہ کسی سے التجا کر رہی ہو اور ہلکے سے ہنس دی وہ نا جانے کیا بکتی رہی۔“ [1]

عصمت چغتائی نے ”بڑے شرم کی بات“ میں ڈھونڈی اور افسانہ ”بھیڑیں“ میں میگی کے کرداروں کے ذریعے زندگی کے اتار چڑھاؤ اور مختلف واقعات سے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ غربت اور بھوک کا معاشرے کے افراد پر کس حد تک عمل دخل ہے اور ان کی زندگیوں میں کس حد تک بگاڑ پیدا ہو سکتا ہے۔ غریب اور نچلے طبقے کی عورت اپنی مرضی سے معاشرے میں جی نہیں سکتی۔ غربت اور بھوک کی انتہائی صورت نچلے طبقے میں دیکھی جا سکتی ہے جو اپنی مرضی کے رسم ورواج کے پابند ہیں اور یہ طوق ساری زندگی ان کے گلے میں پہنا دیا جاتا ہے۔

غریب میگی بچپن ہی سے اپنی بد قسمتی کا بُوجھ اُٹھائے ہوئے ہے۔ جو کسی صورت بھی کم نہیں ہوتا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ دولہا خریدنے کے لیے ڈاؤری اکٹھی کرنا۔ دولہے کی بے وفائی اور دھوکے سے ساری کمائی کا جوئے میں لٹا دینا کبھی نہ ختم ہونے والے دکھوں کا ایسا بیان ہے جیسے پڑھ کر قاری نچلے طبقے کی محرومیوں کو محسوس کر سکتا ہے۔ غربت کے زیر اثر مروجہ رسوم ورواج صنف نازک کی معصومیت کا پردہ چاک کر کے اسے اس قدر سفاک اور بے رحم بنا دیتے ہیں کہ اپنی جائز اولاد کا جنم لینے سے پہلے ہی اسے ابدی نیند سلا دیتی ہے۔

سماج کی بے رحمی ماں کی محبت میں خود غرضی کی دیوار حائل کر دیتی ہے۔ وہ جانتی ہے حمل کا ٹھہر جانا اس کے کام میں رکاوٹ کا باعث بنے گا اور بچے کی پیدائش دولہے کو بھی پوری کمائی سے محروم کر دے گی۔ یہ ذلالت اور کمینگی کی انتہائی شکل ہے۔ جس کا ذمہ دار صرف اور صرف ہمارا سماج ہے۔

افسانہ ”بیرا“ میں عصمت چغتائی نے صاحب حیثیت اور اعلیٰ مرتبے کے حامل افراد کے ظالمانہ رویے کو موضوع بنایا ہے۔ یہ نام نہاد شرفا اور ان کی امیر ترین اولادیں معصوم کلیوں کے جذبوں، ارمانوں

اور خوابوں کا خون کر دیتے ہیں۔ ان کی غربت کا مذاق ہی نہیں اڑاتے وہ کھلیاڑ بن کر ایسے داؤ پیچ استعمال کرتے ہیں جو انہیں شرف آدمیت کے درجے سے گرا کر ذلت کی گہری کھائی میں دھکیل دیتے ہیں۔

افسانہ "ننھی سی جان" میں عصمت چغتائی نے ایسی عورتوں کی حالت زار کا نقشہ بیان کیا ہے جو صاحب ثروت افراد کے ہاں عرصہ دراز سے کام کر رہی ہیں۔ اس کے باوجود بھی چھوٹی چھوٹی غلطیوں کی بڑی سزا بھگتنا پڑتی ہے۔ انجانے میں کی گئی غلطی سے کوئی چوزہ ہی کیوں نہ مر جائے تو آئے دن گالی گلوچ اور سخت جسمانی تشدد سہنا پڑتا ہے۔ غربت کی اوقات ہمارے سماج میں ایک جانور سے بھی کم تر ہے۔

عصمت چغتائی کے افسانہ "ننھی کی نانی" میں نو سال کی معصومیت کا شیرازہ بکھرتے دکھایا ہے۔ ڈپٹی صاحب کی حیوانیت سر اُٹھاتی ہے تو ان کی آنکھوں پر ایسی پٹی بندھ جاتی ہے کہ وہ پہلو میں پڑی معصوم بچی کی عصمت کو تار تار کر دیتے ہیں۔ ننھی کی نانی ڈپٹی صاحب کی حیوانیت سے بے خبر اسے کام پر لگا دیتی ہے۔ اکیلے میں موقع کا فائدہ اُٹھا کر ڈپٹی صاحب نہ صرف اپنی جسمانی اشتہا کو مٹاتے ہیں بلکہ ننھی کو ذلت کے معبر د دقیق میں پھینک اپنی دُنیا بسا لیتے ہیں۔

عصمت چغتائی کا افسانہ "باندی" نوابوں کی زندگی کی عیاشیاں، باندیوں کی حیثیت اور ان کے ناجائز تعلقات، پھر باندیوں کے حاملہ ہونے کے بعد ان کی طرف بے حسی کی بڑی مہارت سے تصور کشی کی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ نواب بیگموں اور نواب زادیوں کی چالاکی و عیاری اس صورت میں سامنے آتی ہے کہ اپنے بیٹوں کے جوان ہوتے ہی انہیں سوسائٹی سے بچانے کے لیے کم سن اور کم عمر باندیوں کو خوب سجا سنوار کر ان کے ساتھ لگا دیتی ہیں۔ یہ کردار خود غرض کا نمونہ پیش کرتے ہیں جب کہ ان کے نواب شوہر باندیوں کے پیچھے لگ کر ان سے بے اتفاقی یا بے توجہی برتتے ہیں اور ان کے حقوق زوجیت ادا کرنے کے قابل نہیں رہتے تو پھر خود ہی خلیرے یا ممیرے بھائیوں سے تعلقات قائم کر کے اپنی جوانی کو گھٹنے سے بچاتی ہیں۔ افسانے کے کردار بڑے شہروں میں نوابوں اور اعلیٰ طبقوں کی ظاہری پوش اور عزت و وقار اور پارسائی کا پول کھول دیتے ہیں۔ ان کی ظاہری قلعی اتار کر ان کی گھناؤنی زندگی کی اصل تصویر ہمارے سامنے رکھتا ہے۔ باندیوں اور ملازماؤں کے ساتھ کیے جانے والے ظلم و ستم کا نقشہ بھی کھینچتے ہیں۔

یہ کردار نوابوں کی زندگیوں کے خود ساختہ رسوم و رواج، جائز و ناجائز معاملات پر روشنی ڈالتے ہیں۔ جو کچھ ان کے فائدے میں ہے وہ جائز اور حلال ہے اور ناجائز مفادات کا نتیجہ ہے اور جو ان کے مفادات کے خلاف ہوتا ہے وہ ناجائز اور حرام ہے۔ نواب زادہ اپنے ناجائز تعلقات کو باندی کے ساتھ جائز بنا لیتا ہے تو اسے خاندان والے جائیداد سے عاق کر دیتے ہیں۔ گویا اعلیٰ اور شرفا افراد مذہب کی بنیاد پر

عزت کا معیار متعین نہیں کرتے بلکہ اونچی ذات اور ان کی رگوں میں دوڑنے والا نوابی خون ہی ان کے با عزت اور شریف ہونے کا واحد جواز ہوتا ہے۔

گھریلو ملازمائیں اونچے اور اعلیٰ طبقے میں جنسی تسکین کا سامان فراہم کرنے کا ذریعہ ہے۔ اُردو افسانے میں بے شمار ایسے کردار موجود ہیں جن میں خواتین کے جنسی تجربات اور مسائل کی حقیقی عکاسی پیش کی گئی ہے۔ سماج عورت کی جنسی آزادی کو دبا دیتا ہے۔ جبکہ مردوں کے لیے مختلف معیار مقرر کرتا ہے۔

جنسی خواہشات ایک فطری چیز ہے جو نہ صرف جسمانی حرکات بلکہ جذباتی کیفیات کے ساتھ ساتھ کرداروں کے اندرونی احساسات اور ان کے درمیان تعلقات کو اُجاگر کرتی ہیں۔ بسا اوقات شوہر کی قربت سے محرومی یا دوری انہیں اپنی جنسی حس اور تسکین کی خاطر گھریلو ملازماؤں سے سہارا لینے پر مجبور کرتی ہیں یا برانگیختہ جذبات کی بدولت شادی نہ ہونا یا لیٹ ہو جانے کی صورت بھی ایسا کرنے پر اکساتی ہے۔

ہم جنس پرستی شہری معاشرے کی ایسی بدترین برائی ہے۔ اونچے گھرانے کی بیگمات اور نواب زادیاں اپنی نوکرانیوں کے ساتھ اس دلدل میں دھنستی جارہی ہیں۔ جنس انسان کی فطری ضرورت ہے۔ دیہی اور شہری عورت کی جنسی آسودگی کے کئی عوامل ہیں۔ جنسی بے راہ روی کے امکانات میں سے ایک اہم عنصر بیوی کی اپنے شوہر سے جذباتی اور جسمانی طور پر دوری ہے۔

عصمت چغتائی کا افسانہ "لحاف" ایک شادی شدہ عورت کی جنسی گھٹن کی نشاندہی کرتا ہے۔ جذباتی طور پر تنہا ہونے کی بدولت اس گھٹن سے بچنے کا راستہ اختیار کر لیتی ہے۔ اس افسانے کا مرکزی کردار بیگم خان ایک ہم جنس پرست کردار کے روپ میں سامنے آتی ہیں۔ وہ اپنی ملازمہ سے اس مقصد کی تکمیل کراتی ہے۔ یہ کردار ایسی خواتین کا بیان ہے جو شوخ و چنچل ہے۔ اونچے اور بڑے گھرانوں میں شوہروں کی رفاقت کے باوجود تنہائی محسوس کرتی ہیں۔ ایک ایسی تنہا عورت دنیا کی تمام آسائشیں پانے کے باوجود بھی شوہر کی قربت نہیں پا سکی۔ شوہر سے دوری اور جذباتی وابستگی کی کمی اسے ذہنی اذیت میں مبتلا کر دیتی ہے۔ اگرچہ چالیس بتالیس سال کی عمر میں بھی وہ بے حد حسین ہے مگر شوہر کی توجہ سے محروم رہی ہے۔ باوجود اس کے ایک حسین عورت کے لیے اپنے شوہر کو اپنا ہم رکاب بنانا یا مٹھی میں کرنا قطعاً مشکل نہیں ہو سکتا۔

عصمت چغتائی نے فنکارانہ مہارت سے ظاہری و خارجی عریانی سے تہی دامن ہوتے ہوئے اپنی بصیرت دونوں خواتین کرداروں کی داخلی کیفیات پر صرف کی ہیں۔ بیگم جان پر جنسی تسکین کا جذبہ غالب

ہونا ایک فطری عمل ہے جو نہ صرف اس کی جنسی گھٹن کی طرف اشارہ کرتی ہے بلکہ وہ اس جذبے کی حصول کی خواہاں ہیں جب کسی حد تک ان کی جنسی تسکین ہو جاتی ہے تو وہ نڈھال ہو کر لیٹ جاتی ہے۔

"ربونو کرانی سے پیٹھ کھجوانا بیگم جان کے لیے ضروریات زندگی بن گیا تھا۔ جب دیکھو وہ بیگم جان کے سر، پاؤں، جسم وغیرہ دبایا ہی کرتی تھی اور جس دن بیگم جان نہاتی اس روز دو گھنٹے پہلے ہی تیل اور خوشبو دار ابٹنوں کی مالش کروانا شروع ہو جاتی تھی۔" ۲

ربونو کرانی کا کردار اس بات کی علامت ہے کہ عورت کا استحصال عورت کے ہاتھوں جذباتی سطح پر بھی ہوتا ہے۔

ازدواجی زندگی کے مسائل کے ساتھ ساتھ غیر شادی شدہ، کنواری نوجوان لڑکیاں بھی ہم جنسیت کی طرف مائل ہیں۔ ایسا ہی ایک کردار احمد ندیم قاسمی کے افسانہ "فیشن" میں نجمہ کا ہے۔ یہ کردار مسلم گھرانوں کی خواتین کی شرافت اور اخلاقیات پر پڑے ہوئے اس پردے کی علامت ہے جو اپنے اندر جنسی خواہشات کی تکمیل کے لیے غیر فطری وسیلوں کو چھپائے ہوئے ہے۔

افسانہ "فیشن" شہری ماحول کے پروردہ دو کردار نجمہ اور اس کی ملازمہ کو ظاہر کرتا ہے۔ مرکزی کردار نجمہ متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والی رومانوی جذبات کی حامل لاابالی لڑکی ہے جس کی زد میں اس کی ملازمہ بھی آ جاتی ہے۔ نجمہ والدین کی اکلوتی اولاد ہے اور ان کی آنکھوں کا تارا ہے۔ اپنے پڑوس کے ایک لڑکے منصور احمد سے محبت کرتی ہے۔ ملازمہ حلیمہ نجمہ اور منصور احمد کے مابین پیغام رسانی کا ذریعہ ہے۔ نجمہ خط لکھ کر حلیمہ کو یہ ہدایت دیتی ہے۔" منصور احمد کو سلام کرنا اور کہنا کہ خط کی صورت میں بے حد شریف خاندان کی ایک لڑکی کی آبرو آپ کے پاس امانت رکھنے آئی ہوں۔" ۳

نجمہ ایک ایسا متحرک نسوانی کردار ہے جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ لڑکی ہمیشہ شریف النفس انسان کو ہی پسند کرتی ہے۔ اور اسی سے شادی کی خواہش مند ہے وہ اپنی خاندانی شرافت پر حرف نہیں آنے دیتی باوجود اس کے وہ اپنے جذبات کی تسکین کے لیے اپنی ملازمہ سے ہم جنسیت کی راہ ہموار کر لیتی ہے کیونکہ وہ جنسی تسکین کے آگے بے بس ہے۔

دل میں بویا جانے والا محبت کا بیج صنف مخالف کی طرف جنسی تسکین کا باعث بنتا ہے۔ اگر صنف مخالف کی جانب سے مثبت رویہ نہ ملے تو یہی جذبہ ہم جنسیت کی شکل میں ابھر آتا ہے۔ جو متلاطم جذبات کے بہاؤ کی نئی صورت پیدا کرتا ہے۔

حلیمہ کا منصور احمد کے گھر عورت کی برہنگی پر مبنی کتابیں پڑھنا نہ صرف ایک معصوم کلی کے اندر تحریک کا باعث بنتا ہے اور ذلت اور رسوائی اس کا مقدر بنتی ہے۔

دوسری طرف منصور احمد کا کردار اعلیٰ طبقے کے ان افراد کی غمازی کرتا ہے جو اہل معاشرہ کی نظر میں شریف النفس کہلوانے کے روادار ہیں۔ وہ کبھی ایسی عورت سے شادی کرنا پسند نہیں کرتے جو پہلے سے اپنی عزت داؤ پر لگا چکی ہو۔ ایک شریف اور مثالی عورت ہی اس کے دل میں جگہ پاتی ہے جو اس کی غیر موجودگی میں اس کی عصمت کی حفاظت کرنا جانتی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حلیمہ کا استحصال اس کے ہاتھوں ہوتا ہے چونکہ حلیمہ جیسی عورت سے وہ شادی نہیں کرنا چاہتا اور حلیمہ اس کے ناجائز بچے کی ماں بن جاتی ہے۔

بانو قدسیہ کا افسانہ ''چھمو'' نو عمر ملازمہ کی کہانی ہے جو خود بھی استحصال کا نتیجہ ہے۔ چھمو سبو نامی ملازمہ کی ناجائز اولاد ہے ہوس کے پجاریوں نے ۴ سال کی عمر میں ہی اس کی معصومیت کو ریزہ ریزہ کر دیا ہے۔ نواب صاحب اور نواب زادے نوکرانیوں پر نظر التفات لٹاتے ہیں اور انہیں آلہ کار بناتے ہیں۔ حویلیوں کی اونچی در و دیوار میں نسل در نسل جنسی بھوک مٹانے کا یہ طریقہ اور روایات چلی آ رہی ہیں۔ کم عمر اور جنسی استحصال کا المناک رخ یہ ہے کہ غریب سے احتجاج کا حق بھی چھین لیا جاتا ہے۔ بانو قدسیہ لکھتی ہیں: ''وہ بچی ان دیواروں کے خلاف ایک ہلکی سی صدائے احتجاج ہے لیکن یہ صدا اتنی کمزور ہے کہ جلد ہی ڈوب جائے گی۔'' ۴

کھلونا بننے والی کم عمر بچی کا وجود ایک سوالیہ نشان ہے جو ظلم سہتے سہتے ہسٹریا کی مریضہ بن چکی ہے۔ حالت کے سنبھلنے پر اس کی ننھی ننھی نیلی آنکھیں اپنے وجود کے بارے میں مجسم سوال رہتی ہیں۔ ''میں کون ہوں بولو نا میں کون ہوں۔'' ۵

بانو قدسیہ نے نوابوں سے کمخواب کے پردے ہٹا کر یہ دکھایا ہے کہ ان کا باطن کتنا گھناؤنا اور تاریک ہے ان کے دل زنگ آلود ہو چکے ہیں۔ برائی کرتے ہوئے ان کا نفس ملامت نہیں کرتا۔

ہاجرہ مسرور کا افسانہ ''کمینی'' میں چھٹکی کا کردار ایک گھریلو ملازمہ کے طور پر سامنے آتا ہے۔ چھٹکی فقیر کی بیٹی ہونے کے باوجود بھی اپنے خاندانی پیشے کو ناپسند کرتی ہے۔ والد کی وفات کے بعد وہ ایک گھر میں صفائی ستھرائی اور جھاڑو پونچھا کا کام شروع کر دیتی ہے۔ گھر کے ایک فرد معراج و میاں سے دل لگی ہو جاتی ہے۔ جس کا نتیجہ نکاح کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ بالآخر مورد و الزام بھی یہی لڑکی ٹھہرائی جاتی ہے۔ خاندانی بائیکاٹ اور ناراضگی کے تحت معراجو میاں چھٹکی کے ساتھ الگ رہنے لگتے ہیں۔ چھٹکی ایک خود دار عورت ہے و معاشرے میں شریف اور قابل عزت زندگی گزارنے کی متمنی ہے۔ وہ شوہر پر اپنا حق جتاتی ہے اور وفا شعار بیوی کی طرح اپنے حقوق منوانا چاہتی ہے۔ معمولی بات پر نوک جھونک ازدواجی

معاملات میں رخنے کا باعث بنتی ہے اور اس بات کا فائدہ معراجو میاں کے خاندان والے اُٹھاتے ہیں۔ خاندانی تقریب میں چھٹکی کی معراجو میاں کے ساتھ شرکت اور دستر خواں پر اہمیت نہ ملنے کی وجہ سے وہ دل برداشتہ ہو جاتی ہے۔ معراجو میاں کے اہل خانہ کے چہرے اس وقت کھل سے جاتے ہیں جب وہ چھٹکی کو حرام زادی اور کمینی کہہ کر گھر سے بے دخل کر دیتے ہیں۔

> "شام کے بڑھتے ہوئے اندھیرے میں۔۔۔ نکل حرام زادی۔۔۔ نکل تو کمینی۔۔۔ بھاری اور کراری آواز کے ساتھ شرم و حیا کے بوجھ سے دبی ہوئی مہین مہین آوازیں اسی ایک جملے کو اونچے سروں میں رٹتے رٹتے بھیانک ہو گئیں۔ گھر کے اندر سے اس جملے کے علاوہ دھمک دھمکا شور بھی اُٹھ رہا تھا۔ جیسے وہاں سب کے سب مل کر بڑھتی ہوئی سردی کے استقبال کے لیے موٹے موٹے لحافوں سے گرد جھاڑ رہے ہوں۔۔۔ لیکن اصل بات یہ نہ تھی کیونکہ تھوڑی ہی دیر میں اندھیرے ڈیوڑھی کے پاٹھوں پاٹ کھلے ہوئے دروازے میں سے بچے کھچے کپڑوں میں لپٹا ہوا کوئی دھم سے پکی گلی میں آ گرا تو چاندی کی موٹی موٹی جھانجھیں اور چوڑیاں بڑی دلچسپ آواز میں بج اُٹھیں۔۔۔ بھلا اس محلے میں سوائے چھٹکی کے کس کے زیور یوں بیچ گلی کے بج سکتے ہیں۔" 6

دیہی علاقوں میں جاگیر دار طبقہ، اونچے گھرانوں کے زمیندار کی اولادیں کام کاج والیوں کی جسمانی سطح پر استحصال کی اس ذہنی خرافات سے دوچار ہیں۔ زمیندار لوگ کس طرح سماج میں برائیاں پھیلاتے ہیں اور غریبوں کا استحصال کرتے ہیں لیکن جب حقیقت سامنے آتی ہے تو انکار کر دیتے ہیں۔

حیات اللہ انصاری کا افسانہ "کمزور پودا" میں کنیز ایک معصوم، مفلس کمزور لڑکی ہے جو زمیندار صاحب کے لاڈے بیٹے کی چھیڑ خانی کے بعد ہوس کا شکار بن جاتی ہے اس کے حاملہ ہونے کے ڈیڑھ ماہ بعد بشیر میاں گاؤں چھوڑ کر واپس شہر آ کر امتحان کی تیاریوں میں مصروف ہو جاتے ہیں اور کنیز سے دسمبر تک لوٹنے کا وعدہ کرتے ہیں۔ کنیز ایک پل بہت مشکل سے گذارتی ہے آخر کار دسمبر آ جاتا ہے لیکن بشیر میاں نہیں آتے اور گھر والوں کے کہنے پر کنیز سے لاتعلق ہو جاتے ہیں۔

کنیز بھولی بھالی لڑکی ہونے کے ناطے چھل کپٹ سے کوسوں دور ہے وہ دل و جان سے بشیر میاں سے محبت کرتی ہے اور اسی جذبے کی لَے میں اپنی عصمت گنوا بیٹھتی ہے یہ غلطی اسے قبل از وقت ایک بچے کی ماں بنا دیتی ہے۔

بغاطن مفلسی کے باوجود بھی کنیز کی غم خوار ہے وہ ہمدردی کی بناء پر اسے چھپا کر دوائیاں فراہم کرتی ہے۔ زمیندار صاحب اپنی دولت، شہرت اور عزت کے نشے میں سرمست رہتے ہیں۔ وہ بیٹے کی عیاشیوں سے باخبر ہو کر اسے قصوروار نہیں سمجھتے اور سارا الزام کنیز کے سر تھوپ کر پورے گاؤں کے سامنے اسے بدکردار عورت ثابت کرتے ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اس کے پیٹ میں پلنے والے اپنے پوتے کو بھی تسلیم نہیں کرتے۔

کنیز کا کردار سماج کے ان بااثر افراد کے کردار پر انگلی اُٹھاتا ہے جو بڑی مکاری سے دُنیا والوں کے سامنے شریف ہونے کے دعویدار ہیں لیکن تنہائیوں میں موقع پا کر مجبور و معہور محنت کش عورتوں کے جسم سے لذت حاصل کرتے ہیں۔ ان کے افسانے "بارہ برس کے بعد" میں سماجی و اخلاقی برائیوں اور ظلم و استحصال کا ذمہ دار امیر لوگوں کو ہی ٹھہرایا گیا ہے۔ اونچی ذات کے لوگ اپنی اولاد کی غلطیوں کو نظر انداز کر کے ان کے عیبوں پر پردہ ڈال دیتے ہیں لیکن دوسرے کی لڑکی کو بدچلن قرار دیتے ہیں اور اس کی اولاد کو ناجائز ٹھہرا کر، بہو اور پوتیوں کو اپنانے سے انکار کر دیتے ہیں۔

امیر طبقے کی عیاشیاں جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے تصور کو سامنے لاتی ہیں۔ غریبوں کے کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔ ان کی مجبوریاں، امیر زادوں کی خواب گاہوں وقتی لذت، نشاط اور تسکین کا سامان فراہم کرنے کی نذر ہو جاتی ہیں۔ اپنا جائز حق طلب کرنے پر لاچار اور مفلس بنت حور کی عزت سر بازار نیلام کر دی جاتی ہے اور ان کی پرزور احتجاج کی گونج حویلیوں کی دیواروں میں ہی بھٹک جاتی ہے۔

ہاجرہ مسرور کے افسانہ "بھاگ بھری" کی ہیروئن کا خاندان نسلوں سے کمی کمین کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ بھاگ بھری کے والدین چوہدری صاحب کے خاندانی ملازم ہیں۔ وارث کی آمد حویلی میں خوشیوں کی بارات لے کر آتی ہے اور نئے فرد کا خیر مقدم بڑے زور و شور سے کیا جاتا ہے۔ شہنائیوں کے شور میں بھاگ بھری کی جوانی چیونٹی کی طرح کچل دی جاتی ہے۔ بھاگ بھری کی ماں اپنی بیٹی کی عزت کی دوہائی دینے چوہدارن کے پاس آتی ہے تو وہ اس کی فریاد کو حویلی کی شان کے خلاف سمجھتے ہوئے گستاخی قرار دیتی ہے اور سارا کا سارا ٹھیکرا بھاگ بھری کے سر ہی پھوڑا جاتا ہے۔ عزت کی پامالی پر چوہدری کی ماں اسے یہ کہہ کر چپ کروا دیتی ہے۔

> "تیری لڑکی خود مستانی ہوئی ہے تو لیہ رکھ کر وہاں رکی کیوں؟ مرد ہے کیا کرے بڑی بیٹی کی عزت کی دہائی دینے والی آئی وہ دن بھول گئی جب تیرا خاوند کھیتوں پر ہوتا ہے اور تو ملک جی کی بیٹھک میں ہوتی۔" 7

چوہدری کی ماں کا سفاک لہجہ تمام حدیں پھلانگ کر ایک غریب عورت کی درد بھری فریاد کی گونج کو ختم کر دیتا ہے۔

افسانہ ''سجدہ شکر'' کی کریمن اور اس کی پوتی کے کردار دیہاتی عورت کی سادگی، غربت سے پیدا ہونے والے حرص کی غمازی کرتے ہیں۔ اس افسانے کے کردار عورت کی بے چارگی اور ناقدری کا شدید احساس دلاتے ہیں۔ جاگیر دارانہ معاشرے میں عورت کی حیثیت اشیائے صرف یا ٹشو پیپر سے زیادہ نہیں۔ سونے پہ سہاگہ غریب طبقے کی عورت حسن سے بھی مالا مال ہو تو اسے جائیداد ہی تصور کر لیا جاتا ہے اور بیک وقت باپ، بیٹا اور بھائی حق خدمت لے سکتے ہیں۔'' ارے چھوری، شک تو مجھے بہت پہلے سے تھا کون سا مہینہ لگا ہے۔ بول چھوٹے کا ہے، بڑے کا یا منجھلے کا یا پھر۔۔۔'' 8

افسانہ ''کنیز'' میں ہاجرہ مسرور نے عورت کی ازلی مظلومیت کی داستان بیان کی ہے اس افسانے کا مرکزی کردار ایک کم عمر مطلقہ عورت کنیز ہے۔ جو اپنے شوہر کی تلاش پاکستان آئی ہے۔ شوہر کا تین بچوں سمیت اسے گھر سے نکال دینا بیگم صاحبہ کا اپنی کوٹھی میں پناہ دینا اور بظاہر کنیز کی ماں بن کر ہمدردی اور محبت کی آڑ میں اس کے معصوم جذبوں کا استحصال کرنا۔ کنیز کے دلی جذبات کا مذاق اڑاتے ہیں۔ طویل مدت خدمت گزاری کے باوجود بھی محض نوکرانی رہتی ہے اور کوٹھی چھوڑنا پڑتی ہے۔ کنیز کا کردار اس بات کا عکاس ہے کہ گھر میں کام کرنے والی ملازمہ کا استحصال نہ صرف جسمانی سطح پر کیا جاتا ہے بلکہ جذباتی سطح پر بھی ہوتا ہے۔

ظلم، جبر، دولت کی غیر مساویانہ تقسیم سے انسانی استحصال کی بہت سی صورتیں سامنے آتی ہیں۔

دیہی معاشرے کی عورت، غربت معاشی تنگی کی بدولت استحصال در استحصال کا شکار ہے۔ جاگیر دار طبقے کی زد میں آکر اپنی اصل شناخت تک کھو دیتی ہے۔ اہل معاشرہ اسے فاحشہ جیسے الفاظ سے دھتکارتا ہے۔ یوں وہ وڈیروں اور بااثر افراد کے ہاتھوں چیونٹی کی طرح کچل دی جاتی ہے۔

غلام عباس کا افسانہ ''بردہ فروش'' کی ریشماں ایک آرام دہ گھریلو زندگی کی متمنی ہے۔ مائی جمی کا ریشماں کو مختلف گھروں میں بھیجنا اور سونا چوری کروا کر بھگانا سماج کا ایسا مکروہ شیطانی روپ ہے۔ ریشماں اگرچہ غریب ہے مگر نمک حرام نہیں۔ چودھری گلاب دین کے گھر سے اسے خاص لگاؤ ہے۔ دھیرے دھیرے مائی جمی کی شیطانیت ریشماں کو پوری طرح شکنجے میں جکڑ لیتی ہے وہ اسے ظلمت کی اس دلدل میں پھینک دینا چاہتی ہے جہاں سے ناچاہ کر بھی وہ نہیں نکل سکتی۔ ریشماں ایک ایسا بکاؤ مال ہے جسے ہر کوئی خرید کر فائدہ اُٹھانا چاہتا ہے۔ پہلے کرم دین سے اس کا سودا کیا جاتا ہے پھر چودھری گلاب دین کی زر خرید لونڈی بنا دیا جاتا ہے۔ یکے بعد دیگرے دونوں کی ہوس کا نشانہ بنتی ہے۔ ارباب اختیار اتفاق رائے سے اس فاحشہ کو

ختم کرنے کا منصوبہ بناتے ہیں تو کرم دین چودھری گلاب سے کہتا ہے”:تو چودھری آؤ پہلے کیوں نہ اسی کا قصہ پاک کریں ہم بھی کیسے بے وقوف ہیں کہ فاحشہ کے پیچھے جانیں دیے جاتے ہیں۔اس کا کیا کہنا کل کسی اور کی بغل گرم کر رہی ہو۔“ 9

کرم دین کے منہ سے ادا کیے جانے والے یہ الفاظ جاگیر دارانہ نظام کی درندگی، کمینگی اور ذلالت کو سامنے لاتے ہیں۔ یہ شیطانی کارندے اور طاقتور مجرم ریشماں کو فاحشہ قرار دے کر موردِ الزام ٹھہراتے ہیں اور خود سماج کی نظروں میں پاک وصاف بن کر رہتے ہیں۔ایک غریب اور بے بس ملازمہ کو ناکردہ گناہوں کی سزا بھگتنا پڑتی ہے۔

غلام عباس کا افسانہ ”سرخ گلاب“ کی کا کی ایک مجذوب کردار ہے جس کے پاگل پن کا فائدہ اس سے مفت کام لینے کی صورت میں اُٹھایا جاتا ہے۔گھر کے کام کاج کے علاوہ پٹوارن گھنٹوں اپنی کمر دبواتی ہے۔ کاکی کی مفلسی اور سادگی اسے ایک ایسے دوراہے پر لا کھڑا کر دیتی ہے جہاں صرف نفسیاتی بزدلی اور خوف غالب ہے۔ اسے کوئی راہ فرار حاصل نہیں۔ رفتہ رفتہ احتجاج اور مزاحمت کی حس بھی دم توڑ جاتی ہے۔

گاؤں کے نام نہاد شرفا اسے گاؤں بدری کی سزا انتقام کی صورت میں دیتے ہیں۔ کاکی شیطانیت کی زد میں آنے والا ایسا کردار ہے جو دیہی سماج کی ان معصوم اور بھولی بھالی لڑکیوں کی عکاسی کرتا ہے جنہیں ہر روز مولا کاکا جیسی ہوس پرست نگاہوں کا سامنا رہتا ہے۔ نتیجتاً شہوت پسند مردوں کی ہوس پرستی کی بھینٹ چڑھ جاتی ہیں۔

غربت کی چکی میں پسی اور نچلے طبقے کی گھریلو ملازماؤں کی مجبوریاں اور محرومیاں انہیں مختلف سطح پر ہر لحاظ سے جبر واستحصال کا شکار بناتی ہیں۔ غربت نہ صرف عورت کو بکواتی ہے بلکہ شوہر یا بھائی کی انا کو پامال بھی کرتی ہے۔ کمائی کھلانے کے ساتھ ساتھ تشدد کی شکل میں اس کا نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ بنیادی طور پر کمائی کرنے والا فرد تو ہر جائز اور ناجائز اختیار کا مالک سمجھا جاتا ہے اور باقی تمام اہل خانہ اس کے محتاج تصور کیے جاتے ہیں۔ تاہم عورت کے لیے سماج کا قانون الگ ہے۔ کمائی کھلانے والی عورت کو ہر طرح سے مرد کی جوتی کے نیچے ہی بیٹھنا پڑتا ہے۔ غربت سے چھٹکارا پانے کا تصور بے عزتی کے ہر معیار پر حاوی ہو جاتا ہے کیونکہ بھائی بہن کی کمائی کھانے کی خاطر اس کی شادی نہیں کرتا اور شوہر بیوی کی کمائی کھانے کی وجہ سے بے عزتی کو بے عزتی تسلیم نہیں کرتا۔

ہمارا معاشرہ گیندا، ڈھونڈی، مینگی، ربو، حلیمہ، چھٹکی، کنیز اور بھاگ بھری جیسے بے شمار کرداروں سے بھرا پڑا ہے۔ غریب لوگ افراد معاشی تنگدستی کی بنا پر مجبور اپنی کم عمر بیٹیوں کو کسی کے گھر

کام کاج کی غرض سے بھیج دیتے ہیں۔ جہاں انہیں صرف اس کی تنخواہ ملتی ہے اس کی عزت کی کوئی ضمانت نہیں ہوتی۔ ان معصوم لوگوں کی بے بسی اور مجبوری ہی ان کے استحصال کی اصل وجہ بنتی ہے۔ عزت کی پامالی پر خون کے گھونٹ پینا پڑتے ہیں اور دکھ سہنا پڑتے ہیں کیوں کہ وہ جانتی ہیں کہ اپنے ساتھ کی جانے والی زیادتی اور ناانصافی کے خلاف آواز اُٹھانے پر دوگنی قیمت ادا کرنا پڑے گی۔

معاشرے کی برائی کو اسی وقت مٹانا ممکن ہے جب کہ ابتدا میں ہی اس کی روک تھام پر توجہ دی جائے۔

جاگیر دار اور سرمایہ دار طبقے میں عورت کے کردار، موضوعات اور ان کی مظلومیت واضح طور پر جبر و استحصال کا شکار نظر آتی ہے۔ مظلوم عورت کا حسن، خوبصورتی اور جادوئی دلکش سراپا چھیننے کا ذمہ دار کوئی اور نہیں سماج میں پلنے والے اور کمینگی کی انتہائی سطح کو چھو لینے والے وہ افراد ہیں جو خود کو بڑے بڑے شاہی قلعوں اور حویلیوں کی چار دیواری میں اپنی خواتین کی عزتوں کے امین تصور کرتے ہیں مگر وہ مجبور اور بے بس خواتین جو چار و ناچار دو وقت کی روٹی پورا کرنے اور پیٹ بھرنے کی خاطر ان کی دہلیز پر آگرتی ہیں۔ ان کی خدمت پر معمور ہو جاتی ہیں۔ اپنے فرض کی ادائیگی میں لغزش نہیں آنے دیتیں۔ انہیں خدمت گزاری کے باوجود بھی اپنی عزتوں کے جنازے نکالنا پڑتے ہیں۔ سماج کے بااثر افراد کے نزدیک ان کی حیثیت مکھی اور مچھر سے زیادہ نہیں ہوتی جب معاشرے کے افراد انہیں دھتکارتے ہیں تو وہ احساس کمتری کا شکار ہو جاتی ہیں۔ ایسا معاشرہ جہاں دولت کی غیر منصفانہ تقسیم ہو صنف نازک کو وہ مقام نہ مل سکا جس کی وہ حق دار ہے۔

گویا زندگی کا ہر پہلو جس کا تعلق سماج میں بسنے والے افراد اور ان کے درپیش مسائل سے ہو خواہ مسئلہ معمولی ہی کیوں نہ ہو۔ اپنے کا حصّے کا کردار ادا کرنا انسانی عظمت اور وقار کو قائم رکھنا ہر فرد کی اخلاقی ذمہ داری ہے۔

**حوالہ جات:**


۱۔ عصمت چغتائی، عصمت چغتائی کے افسانے، (دہلی: کتابی دُنیا الف آفسیٹ پرنٹرز، ۲۰۰۶ء)، ص:۳۰

۲۔ عصمت چغتائی، ”لحاف“، مشمولہ عصمت چغتائی کے افسانے، (دہلی: کتابی دُنیا الف آفسیٹ پرنٹرز،۲۰۰۶ء)، ص:۲۰۔۲۱

۳۔ احمد ندیم قاسمی، کپاس کا پھول، (لاہور: اساطیر پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء)، ص:۳۵

۴۔ بانو قدسیہ، آتش زیرپا، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۱ء)، ص:۱۲۰

۵۔ ایضاً، ص:۱۲۶

۶۔ ہاجرہ مسرور، سب افسانے میرے، (لاہور: مقبول اکیڈمی، ۱۹۹۱ء)، ص:۳۲۷

۷۔ ایضاً، ص:۳۴۳

8۔ ایضاً، ص:۵۹۳

9۔ غلام عباس، جاڑے کی چاندنی، (کراچی: انٹرنیشنل پریس، اکتوبر ۱۹۸۰ء)، ص:۱۲۲